جناب سیّد ہاشمی فرید آبادی

لاہور ترک سلاطین کے عہد میں

اقبال مند غوری فاتح اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ خاندان کے دوسرے افراد میں اس کی وسیع سلطنت کو سنبھالنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ غور کے پہاڑوں پر قانع رہے۔ پائے تخت فیروزکوہ میں معزالدین کا بھتیجا محمود بن غیاث الدین تخت نشین ہُوا تھا۔ اُس نے تاج الدین یلدُز کو غزنی کا اور پھر قطب الدین ایبک کو دہلی کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ یہ دونوں سلطان شہید کے عزیز غلام یا پروردہ تھے جنہیں اپنی زندگی میں وہ امارت و حکومت کے بڑے بڑے مراتب دے گیا تھا۔ ایک اور غلام جس نے ملک سندھ میں علٰحدہ بادشاہی قبا زیب تن کیا، ناصرالدین قباچہ مشہور ہے۔ وہ ملتان پر قبضہ کر کے ولایت لاہور کا بھی دعوٰے دار بن گیا۔ علٰی ہذا غزنی کا نیا وارث لاہور کو اپنا حق بتاتا تھا۔ ان دو شہروں کے دیرینہ پیوند کی بنا پر یہ حجّت کچھ نئی اور بے بُنیاد نہ تھی۔ لیکن دوسری طرف راجپوتانہ کے ریگ زار سے آب دار بنگالہ تک تمام وسیع اور نو مفتوحہ ولایات والیٔ دہلی کی سیادت کو مان گئیں۔ اور اسے مطلق گوارا نہ تھا کہ دوآب سے سیر ہو کر پنجاب کو چھوڑ دے۔ ہندوستان کی جدید اور عظیم سلطنت کا عجیب منصوبہ قوت سے فعل میں آ رہا تھا۔ یہ رفیع الشان عمارت ولایتِ لاہور ہی کی کرسی پر اُٹھائی گئی تھی۔ شمالی ہندوستان پر مؤثر نگرانی کی غرض سے دہلی کو دارالملک بنانا بظاہر تجویز ہو چکا تھا۔ کہ سلطان معزالدین کی شہادت کی خبر سُن کر یہاں کے سبھی صوبہ دار قطب الدین کو سلطان شہید کا جانشین تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر ادھر سے اطمینان ہوتے ہی خود وہ لاہور آیا۔ اور یہیں سلطنتِ غور کے نئے وارث (سلطان محمود ابن غیاث الدین) کا فرمان وصول کیا۔ جس میں اس نے اپنے شہید چچا کے (پسر خواندہ مگر شرعاً مملوک) قطب الدین کو "خطِ آزادی" کے ساتھ خطاب سلطانی اور چتر بادشاہی مرحمت فرمایا تھا۔ "ہندوستان" کے پہلے مُسلم سلطان کا جشنِ تاج پوشی لاہور ہی میں منایا گیا۔ افسوس ہے ہمارے شہر کی اس لائقِ نازش تاریخی تقریب کی تفصیل ہمیں نہیں ملی۔ ورنہ ایک علٰحدہ فصل کا عنوان ہوتی۔ پھر بھی یہ واقعہ بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ قطب الدین کو نہ صرف لاہور کی حفاظت بلکہ علانیہ عزّت افزائی اور شوکت نمائی مدِّنظر تھی۔ تخت نشینی کی یہ مُبارک رسم ۲۸ ذی قعدہ ۶۰۲ھ ہجری (مطابق ۹ جون ۱۲۰۶ء) یک شنبہ (اتوار) کے دن ادا ہوئی۔ قضا کی طرف سے قطب الدین کے لاہور سے تعلق خاطر کی شہادت سمجھئے کہ اس کا انتقال بھی اسی شہر میں ہُوا اور لاہور ہی اس کا مدفن قرار پایا۔

قطب الدین ایبک ۔ روایتوں میں اسے ایک بدصورت ترکی غلام بتایا گیا ہے جس کی چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی۔

لوگ "ایبک شل" یعنی ایبک خستہ انگشت کہنے لگے تھے۔ بعد کے بعض مؤرخوں نے "ایبک" کے معنی چھنگلیا سمجھ لئے۔ حالانکہ ایبک ایک مشہور ترک قبیلے کا نام ہے اور زیر نظر عہد میں کئی ترک امیر اسی لقب سے تاریخوں میں یاد کئے گئے ہیں۔ شروع میں قطب الدین شہر کوذہ میں فروخت ہوا اور وہیں ایک قاضی کے گھر میں اس کی تربیت ہوئی۔ جوانی میں سلطان معزالدین غوری نے خریدا۔ اور اپنی لیاقت و جاں نثاری سے اس کا منظور نظر ہو گیا۔ خوارزم کے ایک معرکے میں اسیر ہوا تو دشمنوں نے طوق و سلاسل پہنا کر پنجرے میں قید کیا تھا۔ لیکن جلد ہی رہائی پا کر سلطان کے حضور آیا۔ تو اس نے موتیوں کے ہار گلے میں ڈالے۔ سپہ سالاری کے جوہر ہندوستان میں چمکے اور یہاں کے اکثر معرکے اس نے سر کئے۔ پہلے ستلج پار کا علاقہ (مشرقی پنجاب) اسے تفویض ہوا۔ حالیہ تقسیم ہند تک ریاست پٹیالہ میں ایک اجڑی نگری کہرام واقع تھی۔ قطب الدین کی حکومت کا کھونٹا، ہندوستان کی سرزمین میں پہلے یہیں گڑا۔ ہریانے کے جاٹوں کے اسی نے پل نکالے۔ ترائن کی دوسری خوں ریز جنگ میں جب پرتھی راج مارا گیا اور اس کا طاقتور جتھا ٹوٹا۔ (۵۸۸ھ/ ۱۱۹۲ء) تو ستلج و سرستی کی بجائے مسلمان جمنا جی کے گھاٹ پر اترے۔ دوآب میں سیلاب کی طرح پھیلے۔ شمالی راج پوتانے پر آندھی بن کر چھا گئے۔ جدید مقبوضات کا مرکز دہلی منتخب ہوئی۔ دو سال بعد شمالی ہند کی قدیم اور باعظمت ریاست قنوج قبضے میں آئی۔ بنارس میں ایک علیحدہ والی مقرر کیا گیا۔ لیکن قطب الدین مزید اعزاز کے ساتھ خطاب فرزندی سے سربلند ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں یہ روایت بامزہ حکایت کے طور پر منقول ہے کہ اس مہم کے سب سے گراں بہا مالِ غنیمت میں ایک سفید ہاتھی غوری سلطان کو بہت پسند آیا تھا۔ واپس جاتے وقت اسے یہی اپنے عزیز نائب قطب الدین کو بخش دیا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ ایسا نادر روزگار سفید ہاتھی سلاطین ہند میں کسی کو نصیب نہیں ہوا اور یہ کہ قطب الدین کی رحلت کے تیسرے دن یہ عجیب جانور بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔

لاہور میں تخت نشینی کے بعد وہ دہلی گیا تھا۔ کہ غزنی کے نئے تاج دار یلدز نے پنجاب پر فوج کشی کی۔ حالانکہ اس کی بیٹی قطب الدین کی ملکہ تھی۔ مگر اقتدار کی جنگ کسی رشتے کنبے کو خاطر میں نہیں لاتی۔ خسر اور داماد میں کئی معرکے ہوئے۔ ایبک نے خسر کو دھکا دیا۔ اور ایک دفعہ اسے بھگا کر خود غزنی پر قبضہ کر لیا۔ یہ گویا تاج الدین یلدز کی منطق معقول جواب تھا۔ کہ لاہور و غزنی کی وحدت اس طرح بھی قائم ہو سکتی ہے! چند روز بعد ہندوستان کے بادشاہ کو کوہستانی سرحد کے پار کا یہ شہر چھوڑنا پڑا۔ تاہم پنجاب کی مداخلت کے خیال سے اپنے مختصر زمانہ بادشاہی میں غالباً دہلی سے زیادہ وہ لاہور میں مقیم رہا۔ اسی شہر کے میدانوں میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر وفات پائی (۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ء) انارکلی بازار کی ایک گلی میں "ہندوستان" کے پہلے مسلم تاج دار کی قبر موجود ہے۔ کہتے ہیں سکھوں کے عہد تغلب تک اس کے اوپر شان دار گنبد سر اٹھائے ہوئے تھا۔ اب ناقدری کے دور نے اصل قبر کو یہی گلی کوچوں کے پیچ و خم میں محجوب کر دیا ہے۔

ایبک نے نئے دارالملک دہلی، نیز اجمیر میں باعظمت سنگین عمارات بنوائیں مسلم تمدن کی فوقیت کی بنیاد رکھی۔ مگر یہ اور اس کی کشور کشائی کے واقعات ہندوستان کی عام تاریخ کا موضوع ہیں۔ مفاخر و اوصافِ ذاتی کو لوگ بھول گئے۔ تاہم اس کی سخاوت صدیوں تک ضرب المثل رہی۔ لاکھ لاکھ ٹکے (جیتل) دینے کی بدولت "لک بخش" کہلاتا تھا۔ چار سو برس بعد کا مؤرخ فرشتہ گواہی دیتا ہے۔ کہ آج تک کسی داد و دہش کی انتہائی تعریف کرنی ہو تو اہلِ ہند اسے "قطب الدین کل" یعنی اپنے زمانے کا

قطب الدین کہتے ہیں۔ ہم عصر فاضل بہاء الدین کی یہ رباعی اکثر تاریخوں میں دہرائی گئی ہے ؎

"اے بخشش لک، تو جہاں آوردہ
کاں را کفِ تو کار بجاں آوردہ
از رشک کفِ توخوں گرفتہ دلِ کاں
در لعل بہانہ درمیاں آوردہ"

آرام شاہ ۔ قطب الدین کی ناگہانی رحلت کے بعد عمائدِ سلطنت نے جو لاہور میں موجود تھے اس کے مبیّنہ فرزند آرام شاہ کی جانشینی کا اعلان کیا۔ ممکن ہے۔ پنجاب کو غزنی اور سندھ کے دعویداروں سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہو۔ ہم عصر طبقات ناصری میں قطب الدین کی نرینہ اولاد صریحاً مذکور نہیں، تین بیٹیوں کا ذکر آیا ہے (ص۱۴۹) لیکن عنوان میں آرام شاہ کی انبیت تحریر کی ہے۔ اس چند روزہ بادشاہ کے چند سکے بھی سلامت ہیں۔ کہ لاہور میں ضرب ہوئے۔ ان پر "آرام شاہ ابن قطب الدین" ثبت ہے۔ اسی بناپر طبقات کے انگریز مترجم سے ایبک کا لے پالک بیٹا قیاس کرتے ہیں۔ طبقات ناصری سے کوئی سو برس بعد "فتوح السلاطین" (دولت آباد دکن) میں نظم ہوئی۔ ایک زمانے تک چھپی رہنے کے بعد حال میں دو دو جگہ چھپی ہے۔ آرام شاہ کے باب میں یہ مختصر مگر نااہی مؤکد خبر سناتی ہے :-

"غرض چونکہ ایبک برفت از جہاں ... بکردند دفنش برسم شہاں
شنیدم کہ آرام شاہ گزیں ... کہ بودے پسر شاہ را بالیقیں
پس از شہ بہ لاہور شد شہریار ... ندادش وے فرصتے روزگار
سرچند روزے برفت از جہاں ... تہی شد دگر بار تخت شہاں

"آرام شاہ را قضائے اجل در رسید" اور بس۔ بعد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب دہلی کے امیروں نے شمس الدین التمش کا انتخاب کیا اور اسے ولایت بدرو(ں) سے بلا کر دہلی میں تخت پر بٹھایا تو آرام شاہ لاہور سے لڑنے چلا۔ بعض قطبی اس کے حامی ہو گئے۔ شمس الدین سے لڑائی دہلی کی نواح میں ہوئی۔ آرام شاہ کے نام لئے بغیر صاحب طبقات بھی اس لڑائی کا ذکر کرتا ہے۔ جس میں شمس الدین جیسا اور اکثر حریف سردار مارے گئے عجب نہیں انہی میں آرام شاہ جنگ کے ساتھ جان کی بازی ہار گیا ہو۔ بہرحال یہ کانٹا نکل جانے پر بھی دہلی کے نئے وارث کو اسی وقت لاہور نہ مل سکا۔ بلکہ اس پر غزنی کے ملک تاج الدین یلدز نے فوج بھیج کر قبضہ جمایا۔ شمس الدین کو یہی غنیمت معلوم ہو کہ تاج الدین اسے باقی ہندوستان کا تاجدار تسلیم کرتا ہے۔ صاحب طبقات صراحت کرتا ہے۔ کہ قطب الدین کی وفات پر مسلم ہندوستان کے عملاً چار حصے ہو گئے تھے۔ (۱) لاہور تا تھانیسر یلدز کا سکہ چلتا تھا (۲) سندھ و سیوستان قباچہ نے اپنے دامن میں باندھے بلکہ ملتان سے بڑھ کر بھٹنڈا، کہرام تک پاؤں پھیلائے۔ شمس الدین کو اول اول ان اضلاع کو بھی تعہد کے نام سے اسی کی تحویل میں دینا پڑا (۳) لکھنوتی میں خلجی آفاقیوں نے بساط حکومت بچھائی، عوض خلجی، غیاث الدین کے سلطانی لقب سے بنگاہ تزلزل فرماں روا ہو گیا۔ (۴) چوتھی حکومت شمس الدین التمش کی قائم ہوئی۔ جس نے بالآخر سب حریفوں کو سلطنت دہلی کے زیر نگیں کیا۔ یہ تفصیلات فتوح

السلاطین میں ملتی ہیں۔(صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳) کہ آرام شاہ کے لاہور (یا دنیا) سے رخصت ہونے کی خبر سُنکر ییلدز نے :-

"سپاہے فرستاد آں شیر مرد	نواحیٔ لاہور را ضبط کرد
وزاں پس بہ التمش نام دار	فرستاد یک چتر گوہر نگار
نبشتہ برآں نامۂ دل پذیر	کہ اے مرد دانائے روشن ضمیر
تو مُلکے ہمی راں بہ ہندوستاں	جہاں گیر یا کامۂ دوستاں
نواحیٔ لاہور در حد ماست	درآں چشم ہائے بے حد ماست
تو باید کہ ایدر نیاری سپاہ	ہمارسو بسازی یکے تخت گاہ

مگر آگے چل کر یلدزہی اس معاہدے پر قائم نہ رہ سکا۔ وہ قباچہ کے جھپٹوں سے لاہور کو بچاتا رہا تھا لیکن خود غزنی کو طاقت ور خوارزم شاہیوں سے محفوظ نہ رکھ سکا۔ ۶۱۱ھ/۱۲۱۴ء میں اسے خیر باد کہہ کر لاہور آگیا اور خاص دہلی پر پیش قدمی کی۔ عصامی کہتا ہے کہ اس کی فوج کشی کی خبر کوئی قاصد "فیل باد پا" پر سوار ہو کر دہلی لایا۔ التمش اب ایسا کمزور نہیں رہا تھا کہ کسی حریف کو اپنے پائے تخت تک بڑھنے کی اجازت دیتا۔ فوج لے کر چلا اور ترائن کے مشہور میدان میں یلدز کے مقابل پہنچ گیا (۶۱۲/۱۲۱۵) اس نے اپنی سابقہ سیادت وسلطانی کا حق جتایا تھا۔ دہلی کے بادشاہ نے اسے نہ مانا۔ بظاہر معمولی سی زدو خورد میں کثرت تعداد غالب آئی۔ تاج الدین گرفتار کر کے بدروں بھیجا گیا۔ اور وہیں پیوند خاک ہوا۔ لاہور کے دوسرے دعویٰ دار، ناصر الدین قباچہ کو دو سال بعد شکست ہوئی (۶۱۴ھ) اور معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت سے لاہور دوبارہ سلطنت دہلی میں شامل کر لیا گیا۔ مگر یہاں سے جو صوبہ دار بھیجے گئے، ترتیب وصحت کے ساتھ ان کے نام اور سنین کہیں نہیں ملتے۔ طبقات کی ورق گردانی سے جو کچھ معلومات پریشان اخذ ہو سکیں۔ یہاں فراہم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ وُلاۃ دہلی کے نام باب کے ضمیمے میں ایک جگہ الگ بھی تحریر کر دئے ہیں۔

حقیقت میں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ چنگیزی مغول غول بیابانی کی طرح مغولستان کے دشت وجبل کی حدوں سے نکلے۔ ٹڈی دل کی مانند وسط ایشیا کے بلاد و امصار پر آگرے تھے۔ اصلی حریف خوارزم (خیوا) کی سلطنت تھی مگر اس کے پہلے اور دوسرے بادشاہ کے تعاقب کے نام سے بہ قہرِ الٰہی خُراسان اور وہاں سے کابل و پشاور کی حدود تک مستولی ہوا۔ سلطان جلال الدین خوارزمی (معروف بہ منک برنی، یا منگ برتی) نے غزنی سے تاج الدین کو نکالا تھا۔ چنگیز نے خود اسے وہاں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ کھدیڑتا ہوا دریائے سندھ کے کنارے لایا۔ (۶۱۸/۱۲۲۱ء) جلال الدین نے جان پر کھیل کر دریا میں گھوڑا اُڑا دیا۔ وحشی مغول یہ تہور دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پیچھا کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ چنگیز یہیں سے واپس پلٹ گیا مگر کابل و خراسان میں اپنے عامل بٹھا گیا۔ شاہ خوارزم نے وادی سندھ و جہلم میں کچھ مدت قباچہ کے شہروں پر حملے کئے۔ پھر ایران کی راہ لی۔ لاہور کو شمس الدین التمش نے بچائے رکھا لیکن معلوم ہوتا ہے۔ انہی ایام میں چنگیزی مغول جہلم تک پہنچے اور قلعہ نندانہ پر انہوں نے اپنی اگلی چوکی قائم کر لی۔ یہاں سے ملتان اور لاہور دونوں ان کی زد میں آ گئے۔ بریں سلطان شمس الدین کے عہد میں ہم لاہور پر کسی یورش کی خبر نہیں سنتے۔ ملتان کے محاصرے اور قباچہ کے وہاں ڈٹ کر مداخلت کرنے کی تحسین

مطالعہ کرتے ہیں۔ قباچہ کی عباسے شاہی آخر اپنے ہم زلف شمس الدین التمش کے ہاتھ سے چاک ہوئی۔ اس فوج کشی کے وقت دہلی کا لشکر بٹھنڈے سے چلا تو لاہور کا صوبہ دار (مقطع) امدادی دستے لے کر پہلے سے ملتان کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ (۱۲۲۷/۶۲۵) اس صوبہ دار کے نام میں التباس ہو گیا ہے۔ کہ ناصر الدین ایتم تھا یا نصیر الدین ایتمر؟ ہم نے اس کے مختصر تذکرے میں قرائن آخر کی صحت واضح کی ہے بہر حال یہ واقعہ لاہور کے شمسی سلطنت کا جزو ہونے کی دلیل ہے۔ ایک اور شمسی امیر اختیار الدین اتیگین کی نسبت ہم پڑھتے ہیں کہ اسے بادشاہ نے کنجاہ اور نندنہ کی حکومت تفویض کی (طبقات۔ ۲، ۵۹۶)۔ افسوس ہے مورخ نے سن کی صراحت نہیں کی مگر اس نے اتنا واضح ہو جاتا ہے۔ کہ غالباً ملک سندھ کی فتح کے ساتھ وادی جہلم کے اضلاع بھی سلطان دہلی نے چنگیزی مغلوں سے خالی کرائے تھے۔

ولایت لاہور کے صوبہ دار

ہمارے علم میں مغلوں کے ہاتھ سے لاہور کے تاراج ہونے تک سلطنت دہلی کے حسب ذیل صوبہ دار ولایت لاہور کی مسند پر متمکن ہوئے :۔

نصیر الدین ایتمر بہائی۔ طبقات ناصری کے نسخوں میں یہ نام "ناصر الدین ایتم" کے ساتھ مخلوط ہو گیا ہے۔ ایتم سلطان معز الدین غوری کے زمانے میں شمالی سندھ و ملتان کا والی تھا۔ اس کے ساتھ ترکستان کی لڑائیوں میں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ شمس الدین التمش کے رفیق ایتمر یقیناً دوسرا شخص ہے۔ اور غالباً ۶۱۹ھ میں لاہور کا مقطع یا صوبہ دار بنایا گیا۔ یہ وہ سال تھا جب کہ جلال الدین خوارزمی دریائے سندھ کے پار اترا اور سندھ و پنجاب پر ہاتھ مارنے کی فکر میں تھا۔ سلطان دہلی مداخلت کی غرض سے خود لاہور آ گیا (طبقات ص ۵۲۱) خوارزمی یکہ تاز نے گھوڑے کی عنان ملتان و سندھ کی طرف پھیر دی۔ ۶۲۵ھ میں التمش نے قباچہ پر فوج کشی کی تو حکم سلطان نے مطابق ایتمر لاہور سے ملتان آیا اور بہ طریق صلح شہر کو فتح کر لیا (ص ۵۸۶) الحاق سندھ کے بعد بادشاہ نے انعام و اکرام کے ساتھ ولایت اجمیر و سانبھر اسے تفویض کی۔ اسی نواح کے معرکوں میں اس نے شہادت کی عزت پائی۔ لاہور کے متعلق اس امیر کے تذکرے میں اور کوئی مفید مطلب بات نہیں ملتی۔ یہ اندازہ لگانا ممکن ہے۔ کہ اب لاہور ایک چھوٹے صوبے کا مستقر رہ گیا تھا۔ مغرب میں ملتان کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جنوب میں بھٹنڈا خاصا اہم مرکز ولایت بن گیا ہے۔ جہلم کے پار علاقہ پرویران اور وسط پنجاب سے منقطع سا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا عہد شمسی میں وہ لاہور کی ولایت میں شامل نظر نہیں آتا یاں ہمہ لاہور صوبے کی اہمیت ضرور باقی رہتی ہے۔ اور یہاں کے والی بار بار سلطنت دہلی کے معاملات میں نمایاں حصہ لیتے ہیں ؛

رکن الدین فیروز ایتمر جانشین ۶۲۶ھ میں کون مقرر ہوا۔ اس کے نام سے ہم واقف نہیں۔ مگر چار سال بعد شہزادہ رکن الدین فیروز ولایت لاہور کی مسند پر فائز کیا جاتا ہے۔ اپنے بڑے بھائی ناصر الدین محمود کے بنگالے میں فوت ہو جانے کے بعد لوگوں کی نگاہیں اسی پر تھیں۔ کہ آئندہ بادشاہی کا وارث ہو گا۔ سلطان کی طرف سے چتر سبز پہلے عطا ہوا تھا۔ مورخ کے الفاظ میں اب "تخت گاہ خسرو ملک" پر متمکن کیا گیا۔ تین سال بعد سلطان پھر وادی سندھ کے دورے پر آیا اور "بنیان" (بنون؟) سے علیل ہو کر واپس چلا تو شہزادے کو لاہور سے اپنے ہمراہ دہلی لے آیا۔ یہی بیماری اس عالی مرتبہ سلطان کا مرض الموت ثابت ہوئی۔ اور اس کے

انتقال پر شہزادہ رکن الدین فیروز بلا توقف بادشاہ ہوگیا۔ (۶۳۳/۱۲۳۶ء) لاہور کی ولایت بظاہر مرحوم سلطان ہی کے آخری ایام میں ملک علاء الدین جانی کے تفویض کر دی گئی۔

علاء الدین جانی۔ اس کے نام کو بھی بعد کی تاریخوں میں طرح طرح سے بگاڑا گیا ہے۔ ہم عصر طبقاتِ ناصری اسے ترکستان کا شاہزادہ بتاتی ہے۔ کہ آوارۂ وطن ہو کر ہندوستان آیا۔ تدبیر و شمشیر کے جوہر سلطان شمس الدین کی سرپرستی میں چمکے۔ بنگال میں غلجیوں کی پہلی خود مختاری کا خاتمہ ہوا تو شہزادہ ولی عہد کو یہ وسیع ملک ملا۔ وہ قضائے الٰہی سے ۶۲۷ھ میں ملکِ عدم کو سدھارا۔ تب علاء الدین جانی اس کا جانشین منتخب کیا گیا۔ اسی طرح ۶۳۳ھ میں شہزادہ رکن الدین فیروز کی جگہ لاہور میں مسند نشینی کی عزت پائی۔ ادھر پایۂ تخت دہلی میں نئے سلطان کی ماں نے بیٹے کے بادشاہ ہوتے ہی سوتیاڈاہ کے کرشمے دکھائے کے محل سرا کے باہر دوسرے شہزادے اور اُمرائے دولت نئے بادشاہ سے ناراض ہوگئے۔ ان کی بغاوت میں لاہور کا والی شریک غالب نظر آتا ہے۔ باغیوں کی سرکوبی کے لئے سلطان فیروز دہلی سے فوج لے کر چلا تھا کہ شہر میں اس کی علاتی بہن رضیہ نے سوتیلی ماں کو گرفتار کر لیا اور اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ یہ شہزادی باپ کی چہیتی اور ایسی لائق تھی کہ اکثر امرا حامی ہوگئے۔ رکن الدین فیروز گرفتار ہو کر مارا گیا۔ پھر بھی باغی امیروں نے لاہور سے دہلی پر پیش قدمی جاری رکھی۔ اور سلطانہ کو کئی مہینے تک نواحِ شہر میں اُن سے جنگ کرنی پڑی۔ آخر ان کے جتھے میں پھوٹ پڑ گئی۔ بعض ٹوٹ کر سلطانہ سے مل گئے۔ علاء الدین جانی ڈر کر پنجاب کی طرف بھاگا۔ لیکن راستے میں (لدھیانے کے قریب) مارا گیا۔ (۶۳۴ھ) اس کے سابقہ حلیف عز الدین ایاز کو حکومت لاہور تفویض ہوئی۔

عز الدین ایاز کبیر خانی۔ فرشتہ یا اس کے کاتبوں نے اسے "اعز الدین" بنا کے بعد کے اکثر تاریخ نگاروں کو گمراہ کر دیا ورنہ وہ "ملوکِ شمسی" میں ممتاز و معروف شخص ہے۔ طبقاتِ ناصری میں ایک طبقہ سلطان شمس الدین کے انہی پروردہ غلاموں کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ جو امارت کے درجے پر پہنچے۔ ان میں دوسرا ملک کبیر خاں ایاز یہی عز الدین ہے۔ کہ شروع میں غور کے امیر کبیر نصیر الدین حسین امیر شکار کا غلام تھا۔ اور اس کے ساتھ بڑے بڑے معرکوں میں رفیق و شریک رہا۔ حسین امیر شکار کے مارے جانے کے بعد جب اس کی اولاد نے دربار دہلی میں ٹھکانا بنایا، اس وقت عز الدین ایاز کو سلطان شمس الدین نے خرید لیا۔ جسمانی قوت اور بہادری میں وہ سینکڑوں پر بھاری سمجھا جاتا تھا کہ لوگوں نے "ہزار مردہ" عرف تجویز کیا۔ الحاق سندھ کے بعد ولایت ملتان اور کبیر خانی کے لقب سے بادشاہ موصوف نے اسے ممتاز کیا۔ سلطان رکن الدین اور پھر اس کی بہن رضیہ کے خلاف لاہور میں بغاوت کی کھچڑی پکی تو اس وقت عز الدین ایاز جنوب مشرقی پنجاب کے پرانے شہر سُنام کا حاکم تھا۔ ملک علاء الدین والئ لاہور اور ملک کوچی والئ ہانسی کی تحریک پر شریک بغاوت ہوا۔ مگر نواحِ دہلی کی لڑائیوں کے دوران میں سلطانہ رضیہ نے اسے لالچ دے کر توڑ لیا۔ اس کے ادھر مل جانے سے باغی امیروں کی قوت ٹوٹ گئی۔ باقی دونوں سرغنہ مارے گئے۔ اور سلطانہ کی طرف سے لاہور "با تمامت مضافات و اطرافِ آں مملکت" عز الدین ایاز کو

تفویض کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء کا واقعہ ہے۔ پھر ہمارا مختصر نویس مؤرخ لکھتا ہے کہ کچھ مدت بعد رضیہ اس سے ناراض ہوگئی۔ اور ۶۳۷ھ میں فوج لے کر لاہور پر چڑھی۔ کبیر خاں شہر چھوڑ کر بھاگا۔ سلطانہ نے پیچھا کیا اور اسے مجبور ہو کر اطاعت قبول کرنی پڑی۔ اس وقت لاہور سے ہٹا کر پھر ولایتِ ملتان کا حاکم بنایا گیا۔ ۶۳۹ھ میں مغول کے بڑے حملے کے وقت وہیں موجود تھا۔ بلکہ مدافعت کی تیاریوں کے سلسلے میں نیز دہلی میں خلفشار سے کر وہ سندھ کا خودمختار حاکم بن بیٹھا تھا۔ ملتان کو مغلوں کے حملے سے اس نے بچا لیا مگر موت کا حملہ نہ ٹلا۔ اسی سال اُچھ میں جسے دارالحکومت بنایا تھا وفات پائی۔

ملک اختیارالدین قراقش۔ اس دَور کا آخری حاکم اختیارالدین قراقش تھا۔ جسے حکومتِ ملتان سے بدل کر کبیر خاں کی جگہ رضیہ نے لاہور کی ولایت عنایت کی۔ وہ بھی سلطان مرحوم کا زرخیز مملوک تھا کہ اپنی لیاقت اور موقع شناسی کی بدولت ممتاز ملوکِ شمسی میں گنا گیا۔ (طبقات ۵۰۲ و ۵۹) سلطان کی ذاتی خدمات انجام دیتا رہا۔ اور اسی کے عہد میں ملتان کا والی بنایا گیا تھا۔ عزالدین ایاز کو رضیہ نے لاہور سے ہٹا کر وہاں بھیجا تو یہاں کی حکومت قراقش کو تفویض کی۔ اسی سال کے آخر میں سلطانہ بٹھنڈے میں قید ہوئی۔ اور پھر اپنے قید بان سے شادی کر کے دہلی پر بڑھی۔ قراقش اُس کا رفیق ہو گیا تھا۔ لیکن دارالسلطنت میں امرا رضیہ کے بھائی معزالدین بہرام کو تخت نشین کر چکے تھے۔ (رمضان ۶۳۷) بہرام شاہی لشکر لے کر دہلی سے نکلا۔ رضیہ کے رفیقوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ اپنے شوہر سمیت شکست کھا کر ہندو گنواروں کے ہاتھ سے ماری گئی۔ بظاہر قراقش نے نئے بادشاہ سے صفائی کی صورت نکال لی تھی۔ کہ اپنے عہدے پر قائم رہا۔ اور مغلوں کے مہلک حملے کے وقت لاہور اسی کی تحویل میں تھا۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر بہادر و مستعد سردار تھا۔ لیکن اہلِ شہر نے جیسا چاہیے تعاون نہیں کیا۔ دہلی سے مدد آنے کی اُمید نہ رہی تب قراقش کو سلامتی اسی میں نظر آئی کہ ایک رات شبخون کے نام سے اپنی جمعیت لے کر باہر آیا اور محاصرین کو مارتا کاٹتا ان کا حلقہ چیر کر نکل گیا۔ شہر کی تاراجی اور مغل حملہ آوروں کی واپسی تک وہ بیاس کی حدود میں رہا۔ اور اپنی زر زیور لینے کے لئے جسے جاتی وقت پانی میں ڈبو گیا تھا پھر لاہور آیا۔ یہاں شہر خموشاں کا عالم تھا۔ کھوکھر اور دیہاتی ہندو گدھوں کی طرح جمع ہو گئے تھے۔ اور بچا کھچا سامان لوٹ رہے تھے۔ قراقش نے انہیں سخت سزا دی۔ لیکن اپنا روپیہ پیسہ پانی سے نکلوا کر دہلی چلا گیا۔ وہاں سے مختلف اقطاع کی حکومت پر نامزد ہوتا رہا۔ سلطان علاءالدین ابنِ رکن الدین کے عہد (۶۳۹ تا ۶۴۴ھ = ۱۲۴۶ء) میں کچھ مدت تک امیر حاجب کی خدمت انجام دی۔ پھر علاءالدین کے جانشین چچا سلطان ناصرالدین محمود کے اوائل عہد میں کڑے کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اسی علاقے کی کسی لڑائی میں شہید ہوا۔ (۶۴۲ھ)

لہ **مغول**۔ چنگیزی مغول کے خروج نے ساتویں صدی ہجری (تیرھویں عیسوی) میں ساری وسطی اور مغربی ایشیا کو ہلا دیا تھا۔ بہت سے مسلمان علماء اسے یاجوج ماجوج کا خروج اور قیامت کا پیش خیمہ گمان کرتے تھے۔ یہ بھونچال چنگیز خاں

ہی کے زمانے میں لبِ آبِ سندھ یعنی برِعظیم ہندوستان کی حدود تک دستک دے گیا تھا۔ بے شبہ سلطان شمس الدین کی بیدارمغزی اور دفاعی تدابیر نے ان خونخوار بھیڑیوں کو چند سال روکے رکھا لیکن اس کی وفات کے بعد قلبِ سلطنت علیل ہوگیا۔ کئی برس اُمرائے دہلی آپس میں کش مکش کرتے رہے۔ ۶۳۶ھ میں مغلوں نے غزنی اور کرمان پر دوبارہ مضبوطی سے قبضہ جمالیا وہاں کے حاکم سیف الدین قرلغ نے ملک چھوڑ کر ملتان میں پناہ لی۔ اس کا بڑا بیٹا رضیہ کے دربار میں آیا۔ پھر بھی ہندوستان کے عمائد کو ہوش نہ آیا۔ سلطانہ بیرونی دشمنوں کی طرف کیا توجہ کر سکتی تھی۔ جب کہ خود گھر میں لوگ اس سے لڑنے مرنے پر کمربستہ تھے۔ حتیٰ کہ معزالدین بہرام کو بادشاہ بنا کے بھائی بہن کو لڑا دیا۔ ۶۳۷ھ میں رضیہ اور اس کا شوہر (صوبہ دار ٹھنڈہ) مارے گئے۔ مگر ناتجربہ کار سلطان اپنے امیروں کو نہ مرعوب کر سکا نہ مانوس۔ بعض ظالمانہ حرکتوں سے عام اہلِ شہر تک نالاں تھے۔ جبکہ مغلوں نے وسیع پیمانے پر لشکر کشی کی۔ چنگیز کے بعد یہ اس کے جانشین (تیسرے فرزند) اوکتائی (اُگدای) خاں کا عہدِ حکومت تھا۔ (۶۲۴ھ تا ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء) اسے ہم عصر جامع التواریخ اور جہاں کشا، عیش دوست اور خاصا رعایا پرور بادشاہ بتاتی ہیں۔ طبقاتِ ناصری کا متشدد مؤلف بھی اسے نسبتہً کریم النفس اور مسلمانوں کا ہمدرد خیال کرتا ہے۔ بایں ہمہ چنگیزی خونریزی اور مغل سپہ سالاروں کی ترک تازی میں ہم کچھ کمی نہیں معائنہ کرتے۔ زیرِ نظر سنین ہرات کا مغل صوبہ دار طائر بہادر بنا دیا گیا۔ کہ بڑے بڑے قتلِ عام اور بہت سے معرکے سر کر چکا تھا۔ وہ ۶۳۹ھ میں جو اوکتائی کی زندگی کا آخری سال ہے پورے ساز و سامان کے ساتھ فوج لیے کر چلا۔ سندھ کے کنارے پر غور، غزنی، گرم سیر و طخارستان تک کے مغل تومین (یعنی سپہ سالار) اور ان کے لشکر مجتمع ہوئے۔ حملہ آوروں کی تعداد چالیس پچاس ہزار سوار سے کم نہ ہوگی۔ یہ تخمینہ بلکہ حملے اور لاہور کی تاراجی کے جملہ واقعات ہم نے طبقاتِ ناصری سے اخذ کئے ہیں۔ اس کا مؤلف خاص دہلی میں موجود تھا، ثقہ اور ذی عزت راوی ہے۔ اطلاع کے بہترین وسائل اسے میسّر تھے۔ خود مغل بادشاہوں کی سرپرستی میں اس زمانے میں جو دو تاریخیں تالیف ہوئیں وہ اس حملے کا بہت ہی مجمل اور سرسری حوالہ دیتی ہیں۔ شہر لاہور کی تاراجی اور قتلِ عام کا ذکر ہی نہیں کرتیں۔ اس کا سبب ایک یہ بھی ہوگا کہ چنگیزیوں کی ایسی یورشیں، ملک ملک کی تباہیاں، بلاد و امصار کی کامل بربادیاں، اَن گنت انسانوں کا کشت و خون اس وقت ایک معمولی بات ہو گئی تھی۔ سانحہ لاہور میں شاید انہیں کوئی خصوصیت نہیں نظر آئی۔ البتہ جامع التواریخ میں اس لشکر کا امیر جسے اواخر ۶۳۸ھ میں "بجانب کشمیر و ہندوستان" بھیجا گیا ہوگا تو بتایا گیا ہے۔ بہرتقدیر ہمیں صاحب طبقات پر حصر کرنا چاہیئے جس نے اجمال سے کام لینے کے باوجود سقوطِ لاہور کی وجوہ بیان کر دی ہیں۔ صوبہ دار قراقش کی مستعدی اور دلیری کی تعریف میں غالباً وہ جنبہ داری برت گیا، واقعات ان صفات کی گواہی نہیں دیتے۔

مؤرخ کی تحریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کا اصلی ارادہ ملتان پر حملہ کرنا تھا۔ سیف الدین قرلغ بہت دن ان سے کلّہ بہ کلّہ لڑا۔ بار بار زکیں دیں۔ محض کثرت کے دباؤ سے کرمان و غزنی چھوڑ کر ملتان ہٹ آیا تھا۔ اس کی چوٹیں

مغلوں کو بھولی نہ ہونگی۔ دوسرے ملتان ان کی حدود سے قریب تھا۔ بخلاف اس کے لاہور ان سے دور، دارالسلطنت دہلی سے نزدیک تر، زیادہ آباد وسیع شہر تھا۔ اس پر چڑھ دوڑنا ان جانبازِ مغلیوں کو بھی زیادہ جوکھوں کا کام نظر آتا ہوگا۔ لیکن رضیہ کی معزولی، پھر بھٹنڈے کی فوج کے ساتھ دہلی پر چڑھائی اور ناکامی کی خبریں ضرور اُنہوں نے سُنی ہونگی۔ ممکن ہے نئے سلطان (معزالدین بہرام) اور درباری امیروں کی باہمی کشاکش کی اطلاعات نے حملہ آوروں کی ہمت بڑھائی ہو۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ حصارِ لاہور میں فوج اور جنگی اسلحہ کا ذخیرہ نہ تھا۔ اہلِ شہر یک دل و متفق نہ تھے۔ بڑی تعداد تاجروں کی تھی۔ ان کے تجارتی قافلے چنگیزی مغول کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ مُغل حکام سے اُنہوں نے اجازت نامے (پائزے) حاصل کر لئے تھے جن میں جان و مال کی حفاظت کا وعدہ تحریر ہوتا تھا۔ ان تحریروں کے بھروسے پر بھی ان تاجروں نے ولئے لاہور کی مدد نہیں کی۔

دوسری طرف ملتان کے صوبہ دار عزالدین ایاز نے مغلوں کی آمد آمد سُن کر بڑے پیمانے پر مدافعت کی تیاریاں کیں۔ دہلی کی ماتحتی کی بجائے خود مختاری کی کُرسی بچھائی۔ داد دہش سے جس قدر ممکن تھا استحکامات مضبوط، اسلحہ مُہیا کئے، فوجی قوت بڑھائی قرلغ اور اس کے رفیق پناہ گزینوں کی شراکت و شہرت بھی تقویت کا باعث ہوئی ہوگی۔ غرض یہ چیزیں سُن کر مغلوں نے اپنا ارادہ بدل دیا، اور سیدھے لاہور پر دوڑ پڑے۔ شہر کی بیرونی بستیاں اس ٹڈی دَل کو نہ روک سکتی تھیں۔ لامحالہ فصیلوں کی پناہ لی۔ حملوں آوروں نے لاہور کو ہر طرف سے محصور کر لیا۔

قدیم شہر کی فصیلوں کا صحیح علم نہیں۔ مختلف قرائن سے ہم نے قیاس کیا ہے کہ موجودہ شہر کی قدیم حدود ہی کی بجائیں تجدید ہوتی رہی۔ یعنی غزنوی لاہور کی شہر پناہ قریب قریب وہیں بنی ہوئی تھی۔ جہاں عہد اکبری میں فصیل اُٹھائی گئی۔ یا جس کے اندر پُرانا شہر آج کل بس رہا ہے۔ اگرچہ اب مغلیہ فصیل کے آثار بھی جگہ جگہ سے محو ہوتے جاتے ہیں۔ انہی حدود میں "حصارِ لاہور" کا ذکر اصل شہر سے الگ آتا ہے۔ مگر غالباً وہ موجودہ قلعے کے برابر وسیع نہ تھا اور اس کے نقشے اور عمارتوں میں بہت کچھ تبدیلی ہو چکی ہے۔ اس موقع پر قلعے کی حفاظت کے سلسلے میں خسک یعنی گوکھرو سے کام لینا مذکور ہے۔ یہ لوہے کے پہلودار کانٹے عموماً دشمن کے راستے میں بچھا دئے جاتے تھے۔ طبقاتِ ناصری کے فاضل مصحح آقائے حبیبی لکھتے ہیں کہ زمانہ حاضرہ کے خاردار تاروں کی طرح ان سے حدبندی کی جاتی تھی۔ مگر نظامی کا شعر جو سند میں پیش کیا ہے، اس سے خسک کا بچھایا جانا ہی پایا جاتا ہے۔

القصہ مؤرخ لکھتا ہے کہ دشمن سے لڑنے اور دفاع و محافظت کرنے میں اہلِ شہر جان چُراتے تھے۔ سرکاری حکام (قاضی) اور پہرہ دار تک فصیل پر حاضر نہ رہتے تھے۔ اُدھر مغلوں کی منجنیقیں پیہم سنگ باری سے شہر پناہ کو توڑ کر ان میں رخنے ڈال رہی تھیں۔ ان قلعہ شکن آلات کی بڑی تعداد حملہ آوروں کے ساتھ تھی۔ چنگیزی کے زمانے سے منجنیقیں چلانے میں مغلوں نے مہارت حاصل کر لی تھی۔ ہزاروں سپاہی اسی کام پر لگائے جاتے تھے۔ چنگیزیوں نے ترکستان و خراسان کے صدہا عظیم الشان قلعوں کو جس طرح توڑا اور فتح کیا گیا اسے خیال میں رکھئے تو صاحبِ طبقات کا یہ قول کچھ مبالغہ آمیز

معلوم ہوگا کہ خاص چنگیز کے منجنیقی ایکہ نوئیں" کے ماتحت دس ہزار منجنیق چلانے والے مغلوں کا لشکر تھا۔ زیر نظر یورش میں بھی طائر سپہ سالار بڑی تعداد میں یہ قدیم کلیں لایا تھا۔ جن سے ان دنوں برج و فصیل توڑنے اور پتھر برسانے کا کام لیتے تھے۔ صحیح علم نہیں کہ یہ محاصرہ کتنے دن رہا۔ مؤرخ کا مجمل جملہ "مدتے بر در شہر لوہور جنگ قائم شد" وقت کے تعین میں مدد نہیں دیتا۔ لیکن از روئے قرائن محاصرے کی مدت چند ہفتے سے زیادہ نہیں نکلتی۔ اس کے دوسرے بیانات سے ضمناً ہم استنباط کر سکتے ہیں کہ محاصرہ جمادی الاولیٰ میں شروع اور اگلے مہینے کی ۱۶ تاریخ شہر مفتوح ہوا۔ اگر یہ ناکہ بندی اور قلعہ گیری زیادہ طول کھینچتی تو غالباً دہلی کے امدادی لشکر پہنچ جاتے۔ ملک قراقش رضیہ کی آخری کش مکش میں سلطانہ کا رفیق ہو گیا تھا۔ اُس نے بعد میں دربار دہلی سے صفائی کر لی۔ مگر ممکن ہے اس کدورت کی بنا پر اسے معز الدین اور امرائے دہلی سے کسی فوری امداد کی اُمید نہ ہو۔ ٹھنڈے کی چھاؤنی اس وقت عملاً معطّل تھی۔ ملتان کا رنگ اور خود شہر والوں کا ڈھنگ اوپر نظر سے گزرا۔ والیٔ لاہور نے جان لیا کہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ مؤرخ کی توجیہات سے یہاں تک اتفاق کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس کے بعد قراقش نے جس طرح بھاگ نکلنے کا ارادہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو بظاہر جکمہ دے کر چلتا بنا۔ اس کی وکالت مشکل ہے۔ چلنے سے پہلے اس نے روپیہ اور زیورات کسی جگہ پانی میں ڈال دئے۔ اپنی ذاتی فوج اور بیوی بچوں کو ہمراہ لیا۔ کہا کہ شبخون کے ارادے سے باہر چلا ہوں۔ پھر دشمن پر یکایک حملہ کیا۔ اور محاصرین کے پہرے کی صف توڑ کر پار ہو گیا۔ مگر اس ہنگامے اور اندھیری رات میں مستورات جُدا ہو گئیں۔ بعض ماری گئیں۔ اور بعض گھوڑوں سے کود کر ویرانوں اور قبرستانوں میں چھپیں۔ شاید انہی کی وجہ سے صبح ہوتے سب کو خبر ہو گئی کہ قراقش فرار ہوا۔ شہر والوں کے دل ٹوٹ گئے۔ محاصرین کی ہمت بڑھی۔

اور وہ شہر کے اندر گھس پڑے۔ اب گلی کوچوں میں قتل و خون کا بازار لگا۔ اور شہریوں نے بھی جان سے ہاتھ دھو کر مقابلے کئے۔ تاجروں کے پائڑے اور امان نامے اس خون کے طوفان بے پناہ میں اُڑ گئے۔ مغل خُونی بے پناہ بچّوں، کمزور عورتوں کو بے دریغ کاٹ دیتے تھے، کاغذی دعدوں کو کیا خاطر میں لاتے۔ غیر منتظم شہری گاجر مولی کی طرح کھیت رہے۔ مسلمانوں کی صرف دو جمعیتیں جم کر لڑیں۔ یہ کوتوال شہر آق سنقر اور فوجی اصطبل کے امیر آخور دین دار محمدؒ کے جُوق تھے جنہوں نے عہد کیا۔ کہ جب تک دم میں دم رہے گا جہاد کریں گے اور اسی میدان میں اپنی جان دے دیں گے۔ وہ اس عہد پر قائم رہے۔ مؤرخ کے الفاظ میں :

"تا آں لحظہ کہ یک رگ بر اعضائے مبارک ایشاں بود و حرکت داشت

تیغ بے دریغ می زند و مغل را بہ دوزخ می فرستادند تا آنگاہ کہ ہر دو

طائفہ بعد از جہاد بسیار بدولت شہادت رسیدند۔"

اس بیان کی ایک عجیب شہادت ابھی تک لاہور کے یکّی دروازے سے مل سکتی ہے جہاں فرد واحد کی دو قبریں موجود ہیں۔ اور قدیم سے یہ روایت چلی آتی ہے کہ مغلوں کی جنگ میں یہ بزرگ اس جوش و خروش سے لڑے کہ سر کٹ گیا تو بھی کچھ دور تک تلوار چلاتے ہوئے بڑھے گئے کہ دھڑ کئی قدم آگے گرا۔ اسی بنا پر سر اور دھڑ الگ الگ دفن کئے گئے۔ ان زندۂ جاوید شہید

شہید کا نام زکی تھا۔ (رحمۃ اللہ علیہ) انہی کے نام پر شہر کا یہ دروازہ "زکی دروازہ" کہلاتا تھا بعد میں عوام کے تلفظ نے بگاڑ کر اسے یکّی دروازہ بنا دیا۔ داخل ہوتے ہی سڑک کی چھوٹی سی قبر دو درجے کی چھوٹی سی درگاہ میں سرِ راہ ملتی ہے۔ قریب زمانے (۱۹۶۳ء) میں کسی نے کتبہ لگایا اور یہاں "پیر زکی رحمۃ اللہ علیہ" کا سر دفن ہونے کی صراحت کر دی ہے۔ سڑک سے دائیں جانب پچیس تیس قدم کے فاصلے پر ایک احاطے میں دوسری قبر سر بُریدہ جسم کی بتاتے ہیں۔ اس کی حال میں مرمت اور تجدید کی جا رہی ہے۔ شاید تکمیل کے ساتھ کوئی کتبہ نصب کر دیا جائے۔ وہ پیر ہوں یا نہ ہوں، اِن بزرگ مجاہد کی یہ کرامت کیا کم ہے کہ چھ سو سال سے زیادہ گزرنے پر بھی ان کے وجود و مزار آج تک محفوظ و مقبول ہیں۔

اَق سنقر کوتوال کو شہادت کی سعادت کے ساتھ جانبازی کا بڑا یہ صلا ملا کہ مغلوں کا سپہ سالارِ اعظم طائر بہادر اُسی کے نیزے کا شکار ہُوا۔

سقوط اور شہر کی تاراجی۔ صاحب طبقات ناصری نے بزرگانِ سلف کی ایک پیش گوئی روایت کی ہے مغول خروج کریں گے اور ان تنگ چشموں کا دنیا میں تسلط ہو گا۔ وہ بلادِ عجم کو تباہ و تاراج کرتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کا لشکر لاہور پہنچے گا تو ان کی جمعیت میں اختلال اور قوت میں زوال رونما ہو گا۔ یہ روایت اس نے لڑکپن میں اپنے اُستاد علی غزنوی سے خود سماعت کی۔ مزید برآں کئی ثقہ راویوں (جماعت ثقات) سے سنا کہ امام جمال الدین بسطامی بخارا میں اُن دنوں (عہد الکتائے خان) بار بار اپنے وعظ میں دعا کرتے رہے کہ "الٰہی لشکر مغول کو جلد لاہور لے جا کہ وہ منتشر ہو جائیں۔" پھر لکھتا ہے (ص ۶۸۸) کہ شہر لاہور کو جمادی الاوّل ۶۳۹ھ میں جس دن مغلوں نے فتح کیا خبر ملی کہ اس کے دوسرے دن الکتائے خان دنیا سے اٹھا لیا گیا۔ مگر یہ اس کا یا کاتبوں کا سہو ہے۔ دوسرے مقام پر سقوط لاہور کی تاریخ ۱۶ رجمادی الاخریٰ تحریر ہے۔ اکتائے یا اگدائے خان کی وفات کی تاریخ ہمیں صحت کے ساتھ معلوم ہے کہ ۱۸ رجمادی الاخریٰ ۶۳۹ھ مطابق ۱۱ ردسمبر ۱۲۴۱ء تھی۔ مذکورہ روایت سے بلاواسطہ سقوطِ لاہور کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔ مورخ کے بیان کے مطابق شہر کی یہ فتح قتل عام اور کامل تباہی کی ہم معنی تھی۔ جو لوگ کسی طرح بچ کر نکل گئے۔ انہیں چھوڑ کر سبھی شہریوں کو مغلوں نے قتل کیا یا قیدی بنا کے لے گئے۔ اصل میں اتنی بڑی کامیابی کے باوجود وہ لاہور میں قیام نہ کر سکتے تھے۔ آخری ایام کے معرکوں میں بہت سے اہل شہر جان پر کھیل کر جس طرح لڑے اس کے مدنظر صاحب طبقات کا یہ قول قرین جواب ہے۔ کہ حملہ آوروں کے ہزاروں سپاہی صدہا سردار و سالار مارے گئے۔ مشکل سے کوئی جنگ آزما ایسا ہو گا جو زخمی نہ ہوا ہو۔ الغرض دیوانہ وار خونریزی اور غارت گری کر کے وہ چند ہی روز میں واپس چلے گئے اسی کا ایک ثبوت سمجھئے کہ ملک قراقش حدود بیاس ہی سے الٹا پھرا اور لاہور آ کر جہاں زیورات و نقود ڈبو گیا تھا۔ وہاں سے بجنسہ نکال لئے۔ لاوارث شہر ایک وسیع مذبح رہ گیا تھا۔ جیسا کہ پچھلی فصل میں نظر سے گزرا آس پاس کے دیہاتی اور کھوکھر جو ہر حملہ آور کے ساتھ لگ جاتے تھے۔ مری ہوئی بستی کو نوچ رہے تھے۔ قراقش نے انہیں پکڑوا کر قتل کی سزا دی۔ لیکن خود اس ویرانے میں قیام نہ کر سکا۔ اور تھوڑے دن بعد

علاؤالدین بہرام ہی کے درباری سازباز میں اس کا نام آتا ہے۔ حالانکہ خود یہ بادشاہ اسی سال ماہ ذی قعد (۶۳۹ھ/مئی ۱۲۴۲ء) میں حکومت سے معزول زندگی سے محروم ہو گیا۔

سقوطِ لاہور کی خبر دہلی پہنچی تو شہر بھر میں کھلبلی پڑ گئی۔ اہلِ اقتدار کا نشہ ہرن ہو گیا۔ وقت کے وقت اپنی سیاسی سازشیں، کاوشیں بھولے۔ بادشاہ کے "قصرِ سفید" میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔ صاحبِ طبقات قاضی منہاج سراج کہ انہی ایام میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر سربلند ہوا اور وعظ و تذکیر میں شہرہ رکھتا تھا، اس نے نہایت پُرتاثیر تقریر کی۔ لوگوں نے بادشاہ کی اطاعت کا از سرِ نو حلف اٹھایا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں جہاد میں کمربستہ ہو گئے۔ یہ طاقتور لشکر وزیرِ سلطنت کی قیادت میں بیاس تک بڑھا تھا کہ مغلوں کے واپس دُوز نکل جانے کی خبریں ملیں۔ ادھر سے اطمینان ہوتے ہی پھر اُمرا میں بے اطمینانی کے شرارے بھڑکے۔ یہی مجاہدین خود بادشاہ پر پلٹ پڑے جس سے چند روز قبل بیعت کی تجدید کی تھی۔ ضدّی بادشاہ اپنی سفلہ پروری کی بھینٹ چڑھا۔ امیروں نے اس کے نوجوان بھتیجے علاء الدین مسعود کو تخت نشین کر لیا۔ علاء الدین چار سال اور چند روز بعد اس منصبِ عالی سے گرا۔ سلطنت پھر شمس الدین کے سب سے چھوٹے فرزند ناصر الدین محمود کی وراثت میں آئی۔ (محرم ۶۴۴ھ/ ۱۲۴۶ء) دہلی کے ان ڈوبتے بادشاہوں سے ہماری دلچسپی اسی حد تک ہے کہ ان کے دربار لشکر کشی کے ضمن میں ہم لاہور کی ویرانی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ شہر کو تاراج کرنے کے تین چار سال بعد مغلوں نے پھر سندھ پر یورش کی تھی۔ مگر اچھ میں مقامی سردار قلعہ بند ہو کر بہادری سے ڈٹے رہے۔ ادھر دہلی سے سلطان علاء الدین کے ہمراہ ایک بڑا لشکر پنجاب کے راستے چلا کہ شمال مغرب کی طرف سے مغلوں کو گھیر کر حملہ کرے۔ صاحبِ طبقات ناصری اس شاہی لشکر کے ساتھ تھا۔ مغل حملہ آور اتنے بڑے پیمانے پر کمک آنے کی خبر سن کر ہی پسپا ہو گئے۔ سپاہ دہلی دریائے چناب تک گشت لگا کر واپس ہوئی۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ لاہور اس وقت ویران پڑا تھا۔ یہ ۶۴۳ھ کا واقعہ ہے۔ دربارِ دہلی میں انہی دنوں ایک دلیر و مستعد امیر "آلغ خاں" کہ آئندہ سلطان غیاث الدین بلبن کے لقب سے نامدار ہوا، کا فنی نمود پایا گیا تھا۔ مداح مؤرخ نے یہ بلا جنگ "فتح" اس کی جلادت و مہابت سے منسوب کی ہے وہی دوسرے سال نئے سلطان ناصر الدین کو لے کر دوبارہ پنجاب آیا اور کوہ جود (نمک کے پہاڑوں) کے کھوکروں کی سخت گوشمالی کی کہ یہ لوگ مغل غارت گروں کی رہبری میں اُن کے رفیق ہو جاتے تھے۔ اس فوج کشی (رجب ۶۴۴ھ) میں لشکرِ دہلی جہلم سے آگے دریائے سندھ تک بڑھا اور مغلوں نے ان اطراف میں بظاہر جو فوجی چوکیاں قائم کر لی تھیں انہیں صاف کیا۔ لیکن مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ تمام علاقہ ایسا ویران ہو گیا تھا کہ دانہ چارہ تک میسّر نہ آتا تھا۔ لہٰذا جلد واپس آنا ضروری ہوا۔ انہی دو حملوں سے ہم اس عام تاراجی کا اندازہ کر سکتے ہیں جو کفّارِ مغول کے قدومِ شوم سے اُن دنوں سارے شمال مغربی پنجاب میں پھیل ہوئی تھی۔ لاہور کی بیرونی تجارت کے راستے اور مقامی رسد و سربراہی کے مواضع انہی اضلاع میں تھے۔

یہ اشارے بھی طبقات کی عبارتوں میں مل سکتے ہیں کہ آئندہ لاہور کے صوبہ دار بٹھنڈے میں رہنے لگے تھے۔ یا کم سے کم انکی چھاؤنی یہی قدیم اور وسیع قلعہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف سرحد و سندھ کی حفاظت کا جنگی مرکز پھر ملتان بن رہا تھا۔ اس کا سبب بھی صرف

لاہور کی ویرانی کو سمجھنا چاہئے۔ اس بات کی قوی شہادت ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی فراہم کرتی ہے۔ یہ مؤرخ دعویٰ کرتا ہے کہ طبقات ناصری نے سلطنت دہلی کی تاریخ کو جہاں چھوڑا تھا، میں نے وہاں تک سلسلہ جوڑ دیا ہے۔ اسی لئے وہ بلبن کے عہد حکومت سے اپنی کتاب کا آغاز کرتا ہے جسے خود نہیں دیکھا مگر ثقہ بزرگوں سے حالات سُنے تھے۔ بلبن کے کارناموں کے باب میں ضمناً تحریر کرتا ہے کہ اسی نے کھوکروں کی سرکوبی کی اور مغربی پنجاب میں امن وانتظام قائم۔ پھر ۶۶۹ھ (۱۲۷۰ء) میں خود لاہور آیا اور از سر نو قلعے اور شہر پناہ کی مرمت کرائی۔ بہت سے معمار فراہم کئے۔ اور سرکاری طور پر رعایا کے مکانات بنوائے۔ قدیم باشندوں کو جو نہایت منتشر اور شکستہ حال تھے حتی الامکان دوبارہ بسایا۔ تیس برس تک ویران وغیر آباد رہنے سے اس نواح کے کوئیں تک اٹے پڑے تھے انہیں صاف کرایا۔ غرض کافی روپیہ اور محنت خرچ کی، تب جاکر یہاں پھر آبادی کی صورت نکلی۔ ..... اس دوبارہ آبادکاری کا حال پڑھ کر ہم تصوّر کر سکتے ہیں کہ ۶۹۹ھ میں مغول کے حملے اور فتح نے شہر لاہور بلکہ ساری نواح کو کس درجہ خراب اور پامال کر دیا تھا کہ تقریباً ایک پشت تک یہ عظیم اور دولت مند شہر بالکل ویران اور بے چراغ پڑا رہا۔

تاریخ کا یہ دفتر لپیٹے وقت مسلم لاہور کی تاراجی کی وہ روایت یاد آتی ہے جس میں اس عبرت ناک تباہی کی اخلاقی یا روحانی توجیہ سلطان المشائخ نظام الدینؒ اولیاء کی زبانی سنائی گئی ہے۔ حضرت موصوف کا لاہور سے یہ تعلق عام طور پر لوگوں کو یاد نہ ہوگا کہ آپ کے دادا خواجہ علی بخاری اور نانا خواجہ عرب بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ اور پہلے لاہور ہی میں رہے۔ اور ایک مدت بعد دونوں صاحب بداؤں منتقل ہوئے تھے۔ دوسری روایت کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ لاہور کی زیر نظر تباہی ایسا الم انگیز واقعہ تھا جسے بزرگانِ دین ستر اسّی برس بعد تک یاد کرتے اور مسلمانوں کو سناتے تھے۔

قرآن اور علمِ جدید

مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب

قیمت پانچ روپے ۸ آنے

فقہ عمرؓ

مصنفہ مولانا ابو یحییٰ امام خاں

قیمت چار روپے

طب العرب

مترجمہ حکیم نیّر واسطی صاحب

قیمت چھ روپے

تہذیب وتمدّن اسلامی

مصنفہ مولانا رشید اختر ندوی

قیمت حصہ اوّل پانچ روپے۔ دوم چھ روپے ۸ آنے۔ سوم ۵ روپے ۱۲ آنے

ملنے کا پتہ:- سکریٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ - ۲ کلب روڈ۔ لاہور